

کی جائے گی، مگر کیا کیا جائے، اس معاملہ میں مشکل ہی مشکل ہے، میں تو سمجھتا تھا کہ یہ بھی مرآد علی کی حرکت ہے مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ اس جہنم میں وہ بقیۃ نہ
ہے، میں تو کہتا ہوں وہ کم بخت پھنس جاتا تو خوب ہوتا۔

حکیم صاحب۔ مگر ناکردار گناہ کو سزا دلوانا بھی تو خلاف الفضای ہے خواہ
کیسا ہی بدمعاش ہو۔

خورشید مرزا۔ یہ درست ہے تو پھر محسن علی صاحب کا بچنا محال ہے کیونکہ سرکار مدعا ہے۔ نواب مرزا کے راضی نامہ سے جہنم خفیف ضرور ہو جائے گا۔
محسن علی کی رہائی کے لئے پوری کوشش کی گئی، نواب مرزا نے راضی نامہ
داخل کر دیا، بار سڑ نے جملہ دادعات پوست کرنے کے بیان کئے، جوان لڑکی کا فرار
ہونا، عالی خاندانی عزت چال پلن یہ سب کہا گیا، فوری جنون کے دورہ پر بری
جحت ہوئی، مگر سرکار مدعا ہی قتل انسان مستلزم سزا۔ آخر کار قرارداد جرم بر میعاد
چھ ماہ قید با مشقت پا چسید ہر ماہ۔ ہر ماہ کی رقم خورشید مرزا نے ادا کی۔ اپیل کی تجویز
ہوئی مگر دکلا دے کہ سزا بالکل کم دی گئی ہے۔ ایسا نہ ہوا اپیل سے ادر بڑھ جائے
پھر جیل میں ریشه دوائی ہوئی۔ آخر اسٹال میں ہلے گئے۔ اب بھی میں آئے ہوئے
ایک ماہ سے زائد ہو چکا تھا۔ لکھنؤ کی والپی پریشورہ ہوا۔

بوئن کو سب نے سمجھایا کہ ماں کے ساتھ گھر لپی جائے مگر اس بدنصیب لڑکی
نے کسی کی نہ سُنی ایک زبان دہی مُرغ کی ایک ٹانگ۔ اب تو جو کچھہ میری تقدیر کا
لکھا تھا پورا ہوا۔ اب میں ہرگز گھر نہ جاؤں گی آخر سب نے مجبوہ ہو کے اُس کے
اُس کی تقدیر پر چھوڑا۔ نواب مرزا نے حودودہ ہزار روپیہ کا اُس سے کیا تھا انور شد
مرزا اگرچہ اس کے خلاف تھے مگر جب انھوں نے نواب مرزا کو اپنے پاس سے
دینے پر آمادہ یا یا، کچھہ رد پیہ اُن کے پاس تھا باقی کے لئے بیوی کا زیور گردی

کرنے کے لئے موسیٰ آبھائی سے بات چیت کی، موسیٰ آبھائی بلالہن زیور ہزار روپیہ قرض دینے کو آمادہ ہو گئے۔ لواب مرزا کی جواں مردی اور مروت کا سکہ دلوں پر بیٹھ گیا تھا۔ خورشید مرزا نے بخوبی ہزار روپیے دے دئے۔

بون کی رخصتی قیامت کا سامنا تھا ہر مرزا لواب مرزا کی بیوی سب سمجھا کے تھک گئے۔ ماں چینیں مار مار رہا ہی ہیں۔ سب سے بیل کے ہنایت بے پرواہی کے ساتھ جہاز میں سوار ہو گئی، جہاز میں جا کے وطن میں باپ کی عزت غیر گذشتہ کی جدائی کا خیال آیا ایک کونہ میں جہاز کے منہ چھپا کے پیٹھ ہو گئی۔ جہاں کا لگڑا لٹھا سب ہو ٹل کو واپس آئے کوئی بون کو بُرَّ الہبہ رہا ہے، کیسے کہر دل کی ہے نہ باپ کی کی قید کا خیال نہ ماں کے رونے پستے کا۔ مگر اُس کے چلتے چلتے یہی کلام تھا کہ اب تو جو سمت میں لکھا تھا ٹولہ ہو کر کے چھوڑ دینا بہت بُرَّا ہے۔ اس کے بعد سُنائی کہ بون پر سخت مصیبتیں گذریں، مراد علی نے چھوڑا تو نہیں مگر ناداری ایسی لھتی کہ صح سے شام تک دشواری سے پیٹ بھر کے کھانے کو ملتا تھا۔ مگر وہ اپنی قسمت پر لہی اور وطن کا رُخ نہ کیا۔ فُرمی ہو یا بھلی بات کی سمجھی اور قول کی پُرسی ہتھی۔

ماں باپ کی اکٹھی نی ڈلاری لڑکی جس کو ماں باپ کے ڈلار نے تباہ کیا، کس بازوں نعمت سے پُرش پانی۔ ہر بات میں اپنی صند "باپ آنکھ دکھاتے ہیں تو اماں جان بگڑ رہی ہیں۔ اب یہی ایک تو انہ صیارے گھر کا اجلاسا ہے کیا اسکو بھی مار دالو گے ماں کبھی خفا ٹوئیں تو باپ بیٹی کی طرف سے لڑ رہے ہیں، دیکھو صاحب تم میری لڑکی کو کچھہ نہ کہا کرو۔" کسی کا خوف اُس کے دل میں نہ تھا وہ سمجھہ گئی ہتھی کہ جو کچھہ میرا جی چاہے دیسی اچھا ہے کیونکہ اُس کی ہر بات کو سب اچھا ہی اچھا کہتے رہے تھے غرض دلوں نے اپنے کئے کی سزا پانی۔

خورشید مرزا، لواب مرزا، حکیم صاحب، نام علی، ہر مرزا، بون کی ماں، لواب

کی بیوی یہ سب لکھنؤ پہنچ گئے، اختری کے جواہرات نوٹ سب اختری کوں گئے کیوں کہ اُس کے قالوں نلوغ میں تین ہیئت اور بانی تھے۔

بمبئی سے آنے کے بعد اختری نے ہر فری کو اسکوں کی نوکری نہ کرنے دی۔ گھر میں کام ہے تو باہر کی نوکری کیوں کرنی ہو۔ ہر فری اس کو قبول نہ کری تھی مگر اختری کا ایسا ہی دباؤ سب پر تھا۔ خواہ دولت کا درباد ہو خواہ نیکی کا درباد ہو، بلکہ ددنوں کو اُس کی بات کا طالنا دشوار تھا۔ اختری نے ہر فری کے بارے میں یہ فیصلہ کر لیا تھا ابھی وہ منہ سے ہمیں نہ کمالتی تھی۔

باق

آخرتی کی دولت کا حال گھللتے ہی سینکڑوں خواہاں پیدا ہو گئے، سینکڑوں رقہ خواستگاری کے لئے خورشید مرزا صاحب کے پاس آئے۔ آخر خورشید مرزا نے عنديہ یعنی کو ہر مرزا کی ماں کے ذریعہ سے خود اخترتی سے دریافت کیا انھوں نے ہنایت بزرگانہ طریقہ سے اخترتی سے پوچھا، ایک دو مرتبہ تو اخترتی اُس بات کو ماں کے اٹھا گئی جب زینت بیگم نے اصرار کیا، اخترتی نے صاف انکار کیا۔

اخترتی - دیکھئے وہ میری اماں جان کی بات سامنے آئی نہ؟ پانچ برس سے ماں جان کے گھر میں رہتی ہوں لوگوں کو معلوم تھا کہ میں ان کی رو طیوں پہنچ دی ہوں اُس زمانہ میں کسی کا رقہ نہ آیا اب کیا مجھ میں شاخ ز عفران ہے کہ میری شادی کے پیام رو زہرہ آتے ہیں۔ میں نے سب کچھ سننا اور تو اور خود میرے لذکروں نے مجھ سے ہمہ تذکرے کئے میں نے کسی کو نرمی سے کسی کو سختی سے جواب دیدیا، مجھ کو ہرگز منظور نہیں۔

زمینت بیگم - تو کیا بیٹی زندگی بھر بیٹھی رہو گی، ہماری تو خوشی یہی ہے کہ کہیں تمہاری شادی ہوئی بال بچے ہوتے، آخر دولت ہوئی تو کیا ہوا جب اُس کا مرزا نہ پایا۔

اخترتی - آپ بزرگ ہیں میں آپ کو جواب نہیں دے سکتی۔ اتنا کہتی ہوں کہ ابھی تو کسی طرح مجھے منظور نہیں ہے، پہلے بہن نادری اور جعفری کا ٹھکانا ہو جائے

ہر فریبہن کے بارے میں تو ایک بات میرے دل میں ہے اگر ان کی شادی کیجئے تو پہلے مجھ سے دریافت کر لجئے گا۔

اسی زمانہ میں آخرتی کا ٹھاٹھا میرانہ ہونے لگا تھا۔ عملہ بڑھایا گیا تھا۔ باہر کی خدمتگار اور سپاہی نوکر ہوتے تھے، پھرے چوکی کا انتظام قرار و انتی کیا گیا تھا۔ اندھے پیش خدمتیں، مغلانیاں، مصا جین، چھپی نویں، کہاریاں، باری داریاں، پُرانے نوکروں کی تخواہیں بڑھائی گئیں، رحیمن محلدار ہوئیں۔ امام علی جمدادار تھے، فنس کہار غرضکہ پورا میرانہ سامان اچھی خاصی سرکار بن گئی۔

بیگم شکار لوگوں کے منہ میں پانی بھرا آتا ہے کوئی نام پر عاشق کوئی دیوانہ کوئی باہر نکلنے والے نوکروں کے ہاتھ جوڑ رہا ہے روپیہ دکھار رہا ہے۔ ہمارا اپیام کوئی کہتا ہے ہماری ایک گلوری کھلا دو، کوئی کہتا ہے ہمارے رقعہ کا جواب لا دو پھاس روپیہ ابھی گنوالو۔

ان سب میں ایک بہت ہی چالاک ماننے والے نوکروں میں مسماۃ حستینی نے نام دیا۔ پیام کے بہانے سے بہت سے روپے کھائے، اسی زمانہ میں ایک نوجوان عورت شہزادی چھپی نویسوں میں نوکر ہوئی، صورت شکل کی اچھی تھی۔ آخرتی سے کچھ بھی سی بیتی تھی۔ بڑی خوش مزاج باداً تھی، بات بات میں شعر غزل لطیفہ گانے بجائے میں مشاق خوش گلو۔ یہ اپنی صحنی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ پانڈاں کھلا ہوا تھا۔ حستینی جو باہر سے آئی تو وہ بھی پان کے لایچ سے اٹھیں کے پاس جا بیٹھی، اُس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔

چھپی نویں۔ یہ لفافہ کس کا ہے۔

حستینی۔ کیا کہوں یوں ایک مرد امیرے پیچے پڑگی ہے کہ یہ لفافہ اپنی سرکار کو پہنچا دو۔ میں نے کہا موئے کچھہ ثابت آئی ہے۔ ابھی سپاہیوں کو بلائے کے کہدوں کی

تو خاصی مرہست ہو جائے گی، میرے کئٹے ہماری سرکار کوئی کسی خانگی ہیں جو باہر کے مرد دن سے رقعہ بازی کرتی ہیں۔ مجھہ سے یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اُدھر سے حسین علیؑ کا خدمتگار کا نام ہے، مثلكے، انھوں نے مجھ سے آنکھ اشارہ کیا لے بھی لے، پھر اُسی مردوں کے سے اور حسین علیؑ سے چکے چپکے باتیں ہوئیں۔ وہ خردواچلا گیا حسین علیؑ نے تجھہ سے کہا کہ لفافہ مجھہ کو دیدیو۔ میں نے کہا وہ میں بھی تو دیکھو لوں مگر پھر چھپی نویں سے پڑھوا کے اس میں لکھا گیا ہے۔ لویہ لفافہ کھول کے پڑھو تو ذرا میں بھی سنو۔ لفافہ تو بڑا پیارا ہے دیکھو کناروں پر جالی کسی پڑھی ہے اور خوشبو کسی آنے ہے عطر میں ڈوبتا ہوا ہے۔

چھپی نویں نے لفافہ کھلا۔ «خط بکالا جیسا لفافہ تھا اُسی کے جوڑ کا غذ کیسے خوبصورت کر رہے تھے میں جسے ہامی دانت کے اور کسی خوبصورت باریک جامی کٹھتی اگر کے عطر سے بسا ہوا تھا، دیکھو اس لفافہ کا حال کسی سے نہ کہنا دیکھنا کسی دل لگتی ہے۔ شام کو حسین علیؑ کی ڈیورڑھی پر جلانا ذرا اُس سے دودو باتیں ہو جائیں مگر مردوں نے اپنے کو بڑا چالاک جانتے ہیں کوئی ہم مرعا شق ہو جائے سب دولت ہم کو کھلادے۔ یہ آخرتی بیگم ہیں کوئی اور جھوکری نہیں کہ جلدی سے پسل جائے ہماری سرکار خدار کے ہفت زبان ہفت فلمہ نہیں معلوم کون کون سی بدیا پڑھی ہیں وہ کسی کے دام میں آئے والی نہیں۔ چھپی نویں نے اُدھر اُدھر دیکھ کے کوئی دیکھتا نہ ہو رقعہ پڑھا۔ لکھا تھا۔

”مکمل گلزارِ خوبی بلبل ثانِ خسارِ محبوبی زیدِ حسنهما۔ جب سے آپ کے حسن خداداد کی تعریف سُنی ہے“ نادیدہ مبتلا کے عذاب ہوں نہ دن کو چین آتا ہو نہ رات کو ٹیند، دن رات آپ کی یادِ دل میں اور آپ کا نام نہ بان پر رہتا ہے اگر چند ہے یہی حال رہا ترپ پڑھے۔

کے مرجاوں گا، آپ پر ایک بندہ خدا کا خون ہو گا، اللہ میری حالت
زار پر رسم کچھے اور اپنا جمال جہاں آ را ر ایک نظر دکھا دیجئے،
میری جوانی پر ترس کھائے اگر سخت جانی مرنے نہ دیکی کچھ کھا کے
سور ہوں گا۔ میرے ہوڑے لکھے کو بہت سمجھنا زیادہ سوائے
اشتیاق کیا لکھوں”

رائم امیدوار دیدار نام ذریمانی سے معلوم ہو جائیگا۔

چھٹی نویں۔ اے ہے عاشقانہ خط لکھنے کی بھی تمیز نہیں، آپ نے دیکھانا بھالا
آپ عاشق ہیں جان دیتے ہیں مرجائیں گے کچھہ کھا کے سور ہیں گے، بہتر ہے آپ کی
اماں جان کو ٹراہ رنج ہو گا اور کسی کی بلا کوں رنج کرنے لگی۔

بُوا حسینی تو یہ خط سن کے کڑھنے لگیں، چھٹی نویں ٹھٹھے لگائے لگیں۔

بُوا حسینی۔ اے ہے بیوی تم بڑے دل کی کڑھ ہو۔ اور جو سچ مُح کھا کے سورے

تو خون ہوانہ؟

چھٹی نویں۔ بُوا فیم بہت مہنگی ہے کون کھاتا ہے۔ کوئی افسوس ہو کا کسی نہ
ماشہ بھر زیادہ کھائے گا، مرتے ہزاروں کو سنا جنازہ کسی کا نہ دیکھانا کوئی مرتا ہے
نہ جیتا ہے، یہ مردوں کے فیل ہیں۔

بُوا حسینی۔ اے ہے ہنسی کی بات نہیں ہے ابھی ہمارے محلہ میں ایک نے اب
رہتے لئے کیسے جوان خوبصورت زندگی سے کچھہ نکرا رہوئی ہر تال پھانک لی مر گئے۔
چھٹی نویں۔ خوب ہوا ایسے نالائقوں کا مرزا ہی اچھا۔ خس کم جہاں پاک۔
اچھا مہاری خاطر سے میں مرنے نہ دوں گی۔ برسوں سے سکھ رکھوں گی، ذرا اتم

حسین علی کو میرے پاس بلانا موقع دیکھ کے کوئی دیور ہی پر اور نہ ہوتے
محنتری کہ بُوا حسینی حسین علی خدمتگار، اور چھٹی نویں کی ایک گلڈ، ہو کسی جس علی

لے خط کا جواب پہنچا دیئے کا دعہ کیا چھپی نویں نے جواب لکھا۔

وصل میں تاثیر ممکن ہی نہیں،

عشق نے تاثیر ممکن ہی نہیں

”آپ کا اشتیاق نامہ دیکھ کے ہنسی بھی آئی اور افسوس بھی ہوا۔

ہنسی تو اس لئے کہ نادیہ،“ گرفتاری اور بیقراری آہ و زاری

اختر شماری اگر کہیں میری صورت دیکھ لی تو شمنوں کی جان پر

بجائے گی اس لئے پروایہ مناسب ہے افسوس اس لئے ہوا

کہ خدا نخواستہ الگ آپ نے رحلت کی تو ہم کو کون چاہئے گا۔ آئئے

لکھا ہے جی چاہتا ہے کچھ کھا کے سور ہوں، آپ کو اپنی پیاری جان

کی قسم ایسا نہ کچھ دیگا۔ اور اگر بفرض یہ قصد مصمم ہو گیا ہو تو ہماری ناز

برداری کے لئے کسی اور کو بخوبی فرمادیجے دیگا۔“

باقی امیدوار راتمہ وہ جس کا نام آپ کو خوب یاد ہے۔“

یہ رقصہ لکھ کے چھپی نویں نے حسین علی خدمتگار کی معرفت عاشق زار دل

فگار کو پہنچا دیا۔

اس رقصہ کے انعام میں دس روپیہ ملے پا خرد پر یہ چھپی نویں نے لئے تین

دو پیہی حسین علی کو اور دو بُوا حسینی کو ملے۔ پہلی بُوا ہی ہوئی۔

منصور نگہ میں حیدر بیگ خان کی جویں کے پیہو اڑے ایک اوپنچے ٹیکے پر

پختہ مکان ہے صحن بہت وسیع ہے۔ یہ مکان کسی زمانہ میں خوب سجا سجا یات بدل

سکونت کے ہو گا بالفعل فقط آگے کے پیچھے دو دالان اندر کا دالان جس کی آدھی

چھت متواتر بہ سالتوں میں پیکتے ٹیکتے آخراً دھی گر پڑی، آدھی چھت کا پائی اس طرف

گر پڑا کرتا ہے اس لئے اب تک نہیں گری آگے کے دالان کی چھت باقی ہے اور

یہی نواب گو ہر مرزا کی سکونت کا مقام ہے۔ اس مکان کے اور کمرے کی صبحچیاں اور کوٹھریاں سب گہر پڑی ہیں۔ ڈیور ہی باقی ہے اور اس میں نواب صاحب کا ملازم خاص پر دار خدمت گزار دربان چوبدار بکاول غرض جو کچھ ہے یہی ہے نواب صاحب کے مصا جبین کوئی درمانہ نہیں پاتے۔ صرف ایک ما شہ بھر افیون روزانہ نواب صاحب کی خاص ڈبیہ سے مل جانی تھے۔ یہ ڈبیہ بی جنی جان کی بخششی ہوئی تھی مگر اب اُس کا وہ قدیم اثر تو جاتا رہا ہے، لیکن پھر ہی کچھ باقی ہے۔ افیم جو اس میں رکھی جانی تھے اُس میں ٹبری برکت ہوئی ہے۔

پھنسی جان کی بخششی ہوئی ڈبیا

روایت ہے کہ ایک صاحب علی مرزا نامی افیون سے شوق رکھتے تھے اور آمدی بہت قلیل تھی آخر اثاث البیت کے فروخت کی نوبت آگئی۔ آج ایک پتیلی گئی کل دوسری اسی طرح ایک ایک کر کے تمام تابنے کے برتن گردی ہو گئے جب بننے کا سود زیادہ بڑھ گیا تو آخر بچا پڑے اب مٹی کی پاندھیوں میں کھانا پکنے لگا، کپڑوں کی نوبت آئی تو بھی سب پک گئے آخر نوبت بائیں رسید کہ ایک دن بیوی کا ایک پانچا مہہ باقی تھا وہ شادی ہجھانی میں جانے کے لئے رکھ چھوڑا تھا، پچھا ایسا قیمتی نہ تھا۔ افیم نہ بھی گردی ہوئے کون بکالا گیا، آج علی مرزا کو طیش آگی پانچا مہہ پکنے کے رکھ لیا اور قسم کھا بیٹھے کہ آج سے افیم نہ پیوں گا، دو تین وقت تو خیر کسی طرح گزر گئے مگر تیسرے دن بُرا حال ہوا۔ چار پانی پر پڑے ہیں دست جاری ہیں انکھوں میں حلقة پڑ گئے۔ ادوائیں کاٹ دی گئی ہے۔ مارکہ نہیں قسمیں دے رہی ہیں۔ یوں قدموں پر سر رکھ رہی ہیں، دوست منت کر رہے ہیں مگر یہاں ایک نہیں ہزارہ ہیں کسی طرح نہیں سُننے اب غشی کی نوبت ہے دھم شماری کا عالم ہے سب نے سمجھہ لیا کہ

کہ ان کی موت اسی بہانہ لکھی تھی، اب کوئی دم کے مہان ہیں۔ اتنے میں کسی نے باہر سے آواز دی۔

علی مرزا صاحب۔ گھر میں عورتوں نے جواب دیا کہ آپ کون ہیں گہاں سے آئے ہیں اس کا جواب کوئی نہیں ذرا ان کو یہاں بھیج دیجئے۔ کہا گیا کہ ان میں باہر آنے کی طاقت نہیں ہے پھر اس نے کہا آپ ان کو ذرا بھیج دیجئے اسے صاحب کس کو بھیج دیں وہ اپنے ہوش میں بھی توں اس نے پھر باواز بلند پکارا۔

علی مرزا صاحب۔ انہوں نے غش سے آنکھیں کھول دیں۔ چار پانی سے اٹھے اور باہر چلے گئے۔ سب کو حیرت ہو گئی۔ اب باہر سے کسی طرح اندر نہیں آتے ایک گھنسٹ سے زیادہ ہو گیا، آخر ایک عورت نے ذرداڑہ کے پاس جا کے دیکھا دروازہ پر کوئی نہیں۔ علی مرزا اس پکار نے دالے کے ساتھ چلے گئے، سخت تعجب ہے۔

علی مرزا جب مکان سے باہر نکلو تو ایک خدمتگار باہر کھڑا تھا اس نے انہا چلے ڈالا ہے یہ ساتھ ہوئے وہ ان کو کشاں کشاں تال کٹوڑے کی طرف لے چلا۔ اب یہ لال معمہ ہے کہ ان میں طاقت رفتار کہاں سے آگئی۔ غرض اس کے ساتھ چلے جاتے تھے۔ تال کٹوڑے سے بہت دُور پہنچ کے ایک جنگل پہنچتا ہے اس جنگل میں ایک خیمہ لگا تھا چلمنیں پڑی تھیں۔ خدمتگار نے کہا جائیے آپ سے کوئی چھینے والا نہیں ہے خیمہ کے اندر گئے دیکھا ایک ادھیر سی عورت بیٹھی ہے ادھر بال سفید آدھے سیاہ موٹی سی سیاہ فام سی اور ایک ناز نین دہائی ساری ناز دھی بستی دوپٹہ اور ٹھٹھے پلنگرہی پر منہ پیسے ٹھٹھی ہے۔ علی مرزا کو دیکھتے ہی اس ادھیر عورت نے کہا۔

واہ صاحب اسی طرح کسی سے چاہ کرتے ہیں دیکھتے اسی سیلے پہلے چھوڑ دی اپ کو منہ لگاتی تھی آپ ڈچھے پڑے گئے آخر جب اس نے منہ لگایا تو آپ نے چھوڑ دیا

جاو صاحب ذر اُس کا مہنہ کھلو، ہاتھ منہ دھلواد پان کھلواد۔ یہ آگے بڑھے منہ ک دوپہر ہٹایا دیکھا کہ جوان عورت کوئی سولہ سترہ سال کا سن تھا، پری کا ساقشہ مگر سیاہ فام، اب ان کو معلوم ہوا کہ یہی چنی بیکم ہیں جن کو لوگ افیم کہتے ہیں۔ علی مرزا نے ہوشیار کی قسمیں دے کے پنگ سے اٹھایا مہنہ دھلوایا پان کھلوایا مگر ان بڑی بی سے یہ کہا کیا کہیں جھٹت کہاں سے ان کی خاطرداری کریں، پسیہ کا تو کہیں پتہ نہیں روٹیوں کی محتابی ہے۔ بڑی بی اچھا جو آپ سے محبت کرے گا وہ اس کا بھی خیال رکھے گا۔ ایک دبیہ افیون سے بھری ہندی ان کو دی اور یہ کہا کہ یہ لمحے خود لمحے لوگوں کو پلاٹے مگر ایک کام کیجئے گا، کسی ہی ضرورت ہو تو ہوڑی افیم اس میں چھوڑ دیجئے گا۔ ایک شخص اس کے دانے کے برابر یہ نہ کیجئے رکھا کہ کبھی بالکل غالی کر کے دبیہ دھوڑائے نہیں تو پچھائیے گا۔ علی مرزا کے پاس یہ دبیہ پرسوں لہی خود بھی پیتے تھے لوگوں کو پلاتے تھے، پھر دبیہ بند کر کے رکھ دیتے تھے پھر جب کھولا اُسی قدر افیم موجود پانی۔ ایک دن ان کی بیوی نے جو کھول کے ڈبیہ دیکھی ان کو اس کی کیا نہبر تھی کیونکہ علی مرزا کو کسی سے اس راز کے بیان کرنے کی اجازت نہ تھی بیوی نے ڈبیہ دھی کے رکھدی اب جو علی مرزا نے دیکھا سر پیٹ لیا ادھر بیوی بیچاری کا ٹوٹو ہو نہیں۔ ہائے میں کیا جانتی تھی، علی مرزا صاحب کے انتقال کے گوہر مرزا صاحب یہ ڈبیہ پا پخڑ پسیہ علی مرزا کی بیوی کو دے کے لے آئے تھے اب بھی اس میں اتنی تاثیر تھی کہ اس ڈبیہ میں جو افیم رکھی جانی ہے اس میں دو گناہ شہ موتا تھا۔ جو در دما شہ پیتا تھا اُس کو ایک ما شہ کفایت کرنی تھی۔ ناظرین کہیں گے کہ یہ قہقہے بالکل دروغ نہ ہے۔ ہم کہتے ہیں ایسا ہی ہو گا۔ جس طرح سُنا تھا لکھدا مادر شغ بگردن راوی۔ داہمہ خلاف ہے اور افیون کا خاص اثر اس وقت پر ہے مگر ان سے کہ اُسی سکا کہہ شمہ ہے اور علی مرزا نے اُس حالت میں جب افیون چاہ پائچ دن سے

ہنسیں ہی بھی، اس کر شمشہ کا دیکھنا ہرگز بعد از قیاس ہنسیں ہے۔ جو صاحب اس کے
قابل نہ ہوں کچھہ دن شوق کر کے چھوڑ دیں جھوٹ سچ کھل جائے گا۔

نواب صاحب کے ہاتھ میں وہی رقصہ ہے بار بار پڑھتے ہیں اور مصحابین
کو سُناتے ہیں۔

صاحب ۱۔ (میر صاحب) واللہ نواب بڑا پڑا و مارا۔ لاکھوں کی دلت پا۔

صاحب ۲۔ (خال صاحب) اس میں تجویز کیا ہے ہمارے نواب صاحب
کیا ایسے دیسے ہیں۔ اور کچھہ نہ سی فقط صورت شکل ما شار اللہ ہزار ہزار دھڑکی میں ایک
ہیں۔ ایسے طرحدار جوان دیکھنے میں آتے ہیں،

نواب صاحب کی صورت ملاحظہ ہو۔

رنگ گوارا ہے مگر تن بدن میں خون کی ایک بوند نہیں۔ چہرہ کی رنگت حصے
چھپکلی کا پیٹ، سن شرفی ۰۵ برس سے کچھہ اور پر گڈے کی صورت، کمر جھکی ہوئی،
منہ پر جھرایاں پڑی ہوئیں۔ ما شہ بھرا فیون کی خوشامد حسن میں یکتا چاند میں میل ہے
اور ان میں نہیں۔ یہ تعریفیں نواب صاحب سُن رہے ہیں با چھیں کھلی جاتی ہیں۔

نواب صاحب۔ تو پھر اب کچھہ سامان کرنا چاہئے، داروغہ صاحب کو بلوائی۔

داروغہ صاحب۔ اس سب سے بڑے ہوئے افیونی تکر بالکل دوہری ہو گئی۔

ہم۔ پنک میں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد پیٹا نی زین کے بد سے یعنی ہے، جب
کوئی چونکا دیتا ہے تو پھر تن کے پیٹھے ہیں مگر ٹیڑھے ہوئے جاتے ہیں، آخر ٹوکی
تشریف لائیں گی؟ دعوت کے لئے پخت ہونا چاہئے۔

نواب صاحب۔ ابھی ہے، نفیں کہہ گئی ہے کہ آج سے پہر کو سواہ ہو گی،
آپ بھی سواہ ہو کے آئے۔ عدیش باغ مونی جھیل کے کنارے آمنا سامنا دو دو
باش، ہو جائیں گی۔

داروغہ صاحب - تو پھر کون سے سامان کی ضرورت ہے۔ کرایہ کی گاڑی منگوایجئے، میر صاحب اور خان صاحب کو ساتھ لے لیجئے چلے جائیں۔
صاحب - (مرزا صاحب) میں ضرور ہمراہ چلوں گا۔

نواب صاحب - بھلا میں بغیر آپ کے کہیں جاؤں گا۔ آپ ہیں داروغہ صاحب سب صاحب چلئے دو خدمتگار ساکھوں -
داروغہ صاحب - تو پھر دو گاڑیاں ہوں۔

صاحب - دو گاڑیاں کیا ہوں گی، ایک ہی گاڑی پر اُترے چڑھتے چلے چلیں گے۔

صاحب - واللہ کیا بات کہی ہے۔

صاحب - یہ بھی بیل گاڑی ہے کہ اُترے چڑھتے چلے جائیں گے۔

صاحب - کیا خوب یاد دلایا ہے بیل گاڑی منگوایجئے، واللہ سفر کا لطف سیل گاڑی میں ہے "سفر کیا دُور و دراز کا ہے عیش باعث این آباد سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔

داروغہ صاحب - اچھا تو میں نہ جاؤں گا۔

نواب صاحب - نہیں واللہ، ایسا نہیں ہو سکتا۔ داروغہ کے بغیر کچھ نہ ہو گا۔

داروغہ صاحب - نواب آپ تو سمجھتے ہیں اب کیا عرض کروں، میرے کپڑے ابھی دھو بن نہیں لائی۔ میلے چیکٹ ہو رہے ہیں۔ ایسے کپڑے پہن کے جانا منا نہیں ہے۔ آپ کی بد ناجی ہے۔

مرزا صاحب - کپڑے گھاٹ دھلوالوں کے نو میں دہیا جاتا ہوں اپنے بھی کپڑے دھلواتا لاوں گا، اور آپ کے بھی۔

داروغہ صاحب۔ پہلے کچھ روپیہ کا بندوبست کرنا چاہئے، تو اپنے آپ کو دیدوں پھر مہاجن کے پاس کیوں کر جاؤں۔

لواء صاحب۔ روپیہ کی تدبیر مقدم ہے تو آپ جائیے۔ اور ہاں خوب یاد آیا۔ چاندی کا خاصدان لٹیہ۔ چاندی کی گڑگڑی بہ سامان بہت ضروری ہے۔

داروغہ صاحب۔ اسی لئے تو میں نے عرض کیا تھا ابکی میرا جانا نہ ہوگا، کیا آج ہی کا دن خدا چاہے تو ابکی آپ کے دولت خانہ پر تشریف لایں۔

مرزا صاحب۔ ذرا دولت خانہ کی حالت تو ویکھئے۔

لواء صاحب۔ مناسب ہے کہ ایک مکان میر راہ کرایہ پر لے لیا جائے اور دہی نشست رہا کرے۔

خان صاحب۔ آجھکل مکاون کا کرایہ بہت گراں ہو گیا ہے۔ میں یہ پیس روپیہ ماموارہ سے کم کا نہ ہو۔

شیخ صاحب۔ درست ہے اس سے بھی کیا کم ہو۔

داروغہ صاحب۔ لگر یہ صرف لہماں سے آئے گا۔ کوئی جائیدار ہن یا بیع کیجاۓ۔

لواء صاحب۔ روپیہ کا بندوبست کسی طرح ہونا چاہئے رہن ہو یا بیع۔
داروغہ صاحب۔ یہ ہزاروں کے معاملے ہیں آج تو ہوئے ہنیں جاتے آج تو خاصدان لٹیہ گڑگڑی مہاجن سے کرایہ پر منگوالي جائے گی۔ پچاس روپیہ میں کسی نہ کسی طرح لے ہی آؤں گا۔ لگر میں صاف کہدوں مجھے تو ابھی یہ معاملہ خلاف قیاس معلوم ہوتا ہے۔

اتنا کہنا تھا کہ خان صاحب شیخ صاحب میر صاحب مرزا خود لواء صاحب بیچارے داروغہ پر گویا برس پڑے جیسے کسی نے بھڑک کے چھتے کو چھیر دیا۔

خلاف قیاس کیا یوں سمجھئے کہ یہ معاملہ ہوگیا۔ ذر ار قعہ کو ملاحظہ کیجئے۔ دوسراے حسینی تھیں کھاتی ہے کہ بیکم صاحب نواب صاحب کے نام پروفدا ہیں۔ حسین علی کو میر خوب جانتا ہوں وہ مجھ سے کبھی جھوٹ نہ کہے سکا۔ اور آج ہی سر شام تک کا انتظار ہے جھوٹ سچ کھلا جاتا ہے۔

داروغہ صاحب۔ خیر خدا اسلامی کرے۔ اچھا تو میں جاتا ہوں۔

سر شام موئی جھیل کے کنارے دو گاڑیاں کھڑی ہوئی، نظر آئیں کوئی پچاں قدم کے فاصلہ سے، جب سورج غروب ہو گیا نواب صاحب تنہا طلب ہوتے، معمولی مزاج پرسی، گاڑی کے اندر سے پانڈاں کے کھلنے کی آواز آئی۔ ایک پان بنائے نواب صاحب کو دیا گیا۔ نواب صاحب نے اپنا خاص دان منگالا یاد ہ گاڑی میں داخل ہوا پھر ٹھوڑی دیر میں مہری سے حقہ مانگا گیا۔

مہری نے جواب دیا، حضور لونڈی خطواوار ہے بھول گئی، یہ گویا حسن طلب تھا۔ نواب صاحب نے گرگڑی چیم سدگتی ہوئی منگوں کے گاڑی کے اندر اپنے ہاتھ سے زی، نواب صاحب کا بیان ہے کہ میں نے اچھی طرح بیکم صاحب کو دیکھا مگر فوراً دبہ سے منہ چھپا یا۔ بیکم صاحب نے خود کوئی بات نواب صاحب سے نہیں کی۔ ساکھہ والیاں بات چیت کرنی آ رہیں۔ دوبارا نواب صاحب کے مکان پر ملنے کا وعدہ کیا۔ نے خاص دان پھر گاڑی سے نکلا نہ گرگڑی۔ بیکم صاحب سے کس کی محاب تھی جو مانگ سکتا۔ نواب صاحب رخصت ہو کے اپنی گاڑی پر آئے۔

داروغہ صاحب۔ خاص دان اور گرگڑی تو منگوں لیجئے۔ اب یہ مشورہ ہوئے لگا کہ مانگنا مناسب ہے یا نامناسب۔ داروغہ صاحب فان صاحب کی رائے تھی کہ منگوں لینا چاہئے۔

میر صاحب۔ واللہ کہیں ایسا غصب نہ کیجئے کا ذلت ہو جائیگی۔

نواب صاحب۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔

شیخ صاحب۔ میرے نزدیک بھی یہی مناسب ہے کہ نہ منگوائیے۔

دارود غم صاحب۔ مرہم، موکے کیا نامناسب۔ مہاجن کو کیا جواب دذگا۔

اب اسی پر کثرت رائے ہوئی کہ منگوانے میں کوئی مصالحتہ نہیں ہے۔ مگر بیگم صاحب کی گاڑی و کٹوری یہ گنج کی سڑک کی طرف سو قدم پر پہنچ گئی تھی دانے کا وقت تھا گھوڑے سر پٹ جا رہے تھے۔

نواب صاحب۔ کیا مصالحتہ ہے۔ گھر سے منگوایں گے۔

دارود غم صاحب۔ ان دلوں عددوں سے ہاتھ دھوئے مہاجن کو تسلک

لکھ دیجئے۔

میر صاحب۔ کیا چوروں سے بھورا ہے۔ ہم منگوادیں گے۔

دارود غم صاحب۔ اب میں کہتا ہوں ایسا غصب نہ کیجئے سکا۔ اگر خود بھجوادیں تو خیرانگئے میں بات ادا بھی ہو جائیں گے۔

اب گھر پر بلاں کی تیاری ہوئے لیں۔

حسینی اور دسرے دن گھر ریائی، خاصدان کا تذکرہ ہوا، اے ہے رکھا ہی میں لانا بھول گئی۔ بیگم نے اُسی وقت کہا تھا کہ نواب کو تکلیف ہو گی یہ سب فوراً بھجوادو۔ مگر میری یاد پر پھر پڑیں خیال تھا کہ لیتی جاؤں گی مگر چلتے وقت بھول آئی۔ اچھا اب میرا العام تو دلو ایئے۔ دیکھئے میں نے آمنا منا کر دیا۔ اب نواب جائیں بیگم جائیں۔ ہمارا جو کام تھا ذہہ ہم کر چکے۔

میر صاحب۔ اچھا بُو احسینی یہ تو کہو ہمارے نواب صاحب کچھہ لیں۔ بھی آئے۔

حسینی۔ ایک ٹھیٹھا لگا کے، اے لوخدار رکھے پسند کیوں نہیں آئے، آدھی رات تک گانا بجا نہ ہوا کیا نواب صاحب ہی کا ذکر رہا۔ پھر چکے پے سے بیگم تو خطرہ کو دیکھ کے

لوٹ گئی تھیں، میاں میں نہ مانوں کی عطر پڑھا ہوا تھا۔
مرزا آغا حب عطر کیسا؟

حستینی۔ اب آپ مجھے چند راتے ہیں، وہ جو خط میں لگا تھا اور خاصدان کی
لکوری جب سے کھائی ہے جب سے تو کیا کہوں بلکہ صاحب کے دستمن جیسے دیوانی
ہو گئی ہیں۔ یہیں کی رٹ لگی ہے۔ یہی حال رہا تو میں جانشی ہوں چاہرہ ہی دن میں
نواب صاحب کے پہلو میں آب پڑھیں گی۔ میاں ہم بھی بچپن سے بلکہ میں کے پاس رہے
زندگی انھیں فیلوں میں گذری۔ ہم عورت کی بیکاہ پہچانتے ہیں۔ اچھا آپ میرا
العام دلوا یتے دیرہ ہوئی تھے۔ میری یادِ تور ہی ہو گی۔ میری حستینی کہاں کئی ایک
گھر یا بھر بغیر میرے قرار نہیں ہے۔ ادھر میں آنکھ سے او جھل ہوئی اور میری
پکارہ ہوئے لگی۔

شیخ صاحب۔ ہمارے نواب صاحب بھی تم کو زندگی بھر سمجھتے رہیں گے، ہمارے
نواب بھی دل کے بڑے فیاض ہیں۔

مرزا آغا حب۔ نہال ہو جاؤ گی۔

العامِ اکرام میں نواب صاحب کے ملاز میں کا بھی آدھا سا جھا تھا۔ میں
بھگت تھی، نواب کو بڑھا رے دے رہے تھے۔ آخر دار و عنہ صاحب سے اور
نواب صاحب سے تخلیہ میں گفتگو ہوئی۔ پچاس روپیہ دیا گیا۔ پچیس ادھر ہے
پچیس ادھر۔

دار و عنہ صاحب اور حسینی۔ حسینی تولد نوادے ہوتے پچاس تو ہم لوگوں
کے پلے پڑتے یہ تو کچھہ نہ ہوا۔

دار و عنہ صاحب۔ دوسرو روپیہ کی رقم خاصدان لئی کہ مگر طی نہیں جا پی
ہے۔

حُسینی - تو کیا وہ ہم کو ہضم ہونی جانی ہے۔ کہ تو دے جاؤں، مگر بیکم کو پند
ہیں، میں جان کے نہیں لائی، میں تو آپ لوگوں کی بات بنارہی ہوں۔ خدار کھے ہماری
بیکم کے آگے ایسی ایسی چیزوں کی کوئی اصل ہے خدا جھوٹ نہ بولئے ایسے ایسے خاص
میں پھریں تو ہوں گے۔ حُسنوں کا کوئی شمار نہیں۔

نواب صاحب کو اور نواب صاحب کے ملازموں کو یہی گمان تھا کہ اختیاری
بیکم کے پھانسے کی تدبیر ہو رہی ہے۔ اس کے بعد خاص دان گڑگڑی لعیہ کا نہ کسی نے
تھا ضمہ کیا نہ واپس آیا۔

باق

ایمن آباد میں سہر راہ ایک مکان کرایہ پر لیا گیا۔ مکان اس طرح کا ہتا کہ اندر بہت وسیع مکان زنانہ کے لئے باہر دو گمرے سہر راہ مردانہ نشست کے لئے تیس روپے ماہوار پر ایک مہینہ کا کرایہ پشتیگی دے کے فرش فردش جھار ٹکنول میزیں، گرسیاں، غرضکارہ عمدہ فرنیچر سے آراستہ کیا گیا۔ مگر یہ سب سامان جیسے کسی مالک کا ہوتا ہے اور اُس کے نوکر چاکر اسکو کام میں نہیں لاتے اس طرح لوازاب حباب لئے ان کروں کو بالکل چھوڑ کے ایک مختصر مکارہ نیچے مکان میں رہتا۔ یہاں نشست اختیار کی۔ اتنی جرأت ہی نہ ہتی کہ ایسے صان سترے آراستہ گمرے میں یہیں زندگی تو ٹوٹے کھنڈڑ میں گزر گئی۔ گویا یہ گمرے ان کی شان کے نہیں بلکہ کروں کی شان ان کے قابل نہ ہتی۔ ان کی بے تکافٹ صحبت میں۔ ایک میل سی دری بجھی ہے مدار یہ حق پہنچنے رہوئے ہیں۔ یار ان طریقہ بیٹھے رہوئے ہیں، گئے پھل رہے ہیں چلسیں الٹی جاتی ہیں داستان ہو رہی ہے۔ شام کے وقت بڑے لطف کی صحبت ہوئی ہے۔ لوازاب کے گمرے کے پہلو میں چاہ کا پتیلہ چڑھا ہے ایک چوٹھے دردھ کی پتیلی ہے۔ دودھ جوش، مور ہا ہے۔ ملائی اُتاری جاتی ہے۔ پتیلے میں سبز چاکے جوش کھا رہی ہے۔ سبجی دے کے اچھائی جا رہی ہے۔ افیونی رنگ دیکھا ہے ہیں۔ ابھی رنگ نہیں کٹا سبجی اور دینا چاہئے سامنے بسکٹ والے بیٹھے ہیں۔ چار پینے والے خرید رہے ہیں ادھر فالودہ والے کھیر کی قفلی والے برلن والے خاصہ میلا لگا

ہے۔ یہ سب نواب صاحب کے ذمہ کا ٹھوڑا ہے۔ ہماجن سے پانچ ہزار روپیہ ہوئی پر دنوت لکھ کے گویا علی الحساب لے لئے گئے ہیں مکاؤں کے بارہ آنے کا معاملہ طے ہنس ہوا ہے۔ یہ سب روپیہ شہزادی اور اُس کے شریک داروں کی تقدیر کا ہے نواب صاحب اختری کے نام کی تسبیح پڑھا کر تے ہیں۔ ایک کروڑ کی جائیداد کے مالک ہوا چاہتے ہیں۔

ایک علیم نے لکھا ہے کہ اگر کسی دیوانہ کو یہ خیال ہو جائے کہ میں بادشاہ ہفت علیم ہوں تو اُس کا علاج کرنا اُس کے قتل کرنے سے بدتر ہے جو صدمہ بادشاہ کو سخت کے نچے اٹھانے سے ہوتا ہے دیساہی صدمہ اس مجنون کو ہوش میں آنے سے ہوگا۔ نواب صاحب مددوں اس خیال میں رہے اور بہت خوش رہے۔ یہ سودا عمر بھرنے کیا۔

آخر اس مکان میں بیگم صاحبہ (شہزادی) تشریف فرمائیں۔ بڑی دھوم دھام سے دعوت کا سامان ہوا۔ پلاو زردہ، فیرنی، شیرمال، کباب، کنی رنگ کا سالن، امیرانہ دعوت لکھی۔ مفت خوردل نے خوب ہستے مارے۔ چمن کی اڈ سے خوب رمز و کنایہ ہوئے۔ طرفین سے اشتیاق کے دفتر کھلے مگر دیر آید درست آید۔

ساتھ والیاں پر دے کی ذمہ دار تھیں۔ حضور ابھی، کم سن ہیں۔ بن بیا ہی کیوں کراچیا ایکی آپ کے سامنے آ کے بیٹھ جائیں رہا وہ درسم بڑھنے دیجئے۔ ہوا اٹوٹنے دیجئے۔ دیکھئے جلدی نہ کچھے گا۔ انہیں تو سونے کی چڑیا سے ہاتھ سے نکل جائے گی یہ پر دہ کھولنے کا قصد کرتے ہیں ادھر سے دھمکی دی جاتی تھی۔ ابھی اٹھی چلی جاؤ گی اہا! ایسی جلدی میں آئے لو صاحب کیا امیر لے دشمن کوئی بازاری کسی خانگی ہیں، کیوں بواحیں اسی لئے تم سہم کو لائی تھیں۔